بدعت کیا ہے؟

مسز اسعد مختار

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاھور

36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 3-35869501

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ...... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ ـــــ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ،

وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَّكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

کل حمد وثنا اللہ کے لیے ہے...... کل تعریف اور شکر وسپاس اللہ کے لیے ہے۔ ہم اُس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس سے بخشش ومغفرت طلب کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر توکل کرتے ہیں۔ اور ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اور اپنی بداعمالیوں سے۔ جس کسی کو اللہ ہدایت دے دے تو کوئی اسے گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ازاں بعد ـــــ یقیناً سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین معاملات وہ ہیں جو (دین میں پیدا کردہ) نئے کام ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔

بدعت سے کیا مراد ہے؟

بدعت کی تعریف

یہ 'بدع' سے لیا گیا ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا ایسے طریقے پر ایجاد کرنا جس کی پہلے کوئی اساس یا بنیاد نہ ہو! —— ابتداع اور ایجاد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تمدنی ترقی کے نتیجے میں نئی نئی ایجادات: یہ جائز ہیں' جیسے فرج' کمپیوٹر' ہوائی جہاز' ان چیزوں کا استعمال جائز ہے۔ یہ بدعت نہیں ہیں۔

(۲) دین میں کسی نئی چیز کا ایجاد کرنا: یعنی ہر وہ عمل بدعت کہلائے گا جس کا تعلق ہماری عبادات سے ہو یا جو ثواب اور نیکی سمجھ کر کیا جائے لیکن شریعت یعنی قرآن وسنت میں اس کی کوئی بنیاد یا ثبوت نہ ہو' جو نہ تو نبی اکرم ﷺ نے خود کیا ہو اور نہ ہی کسی کو اس کا حکم دیا ہو اور نہ ہی اس کی اجازت دی ہو۔ ایسا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود (ناقابل قبول) ہے۔ (بحوالہ بخاری ومسلم)

دین کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی چیز بدعات ہیں۔ چونکہ یہ نیکی اور ثواب سمجھ کر کی جاتی ہیں اس لیے بدعتی انہیں ترک کرنے کا تصور تک نہیں کرتا' جبکہ دوسرے گناہوں کے معاملے میں گناہ کا احساس موجود رہتا ہے جس سے یہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ گناہگار کبھی نہ کبھی اپنے گناہوں پر نادم ہو کر ضرور توبہ واستغفار کرے گا۔ اسی لیے حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ''شیطان کو معصیت کے مقابلے میں بدعت زیادہ محبوب ہے''۔

ایک ضروری وضاحت

بدعت کی تعریف سمجھ لینے کے بعد ایک اور اہم بات سمجھنی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد مختلف اوقات میں مختلف نئے مسائل پیدا ہوئے جن کے حل کے لیے نئے قوانین بنانے کی ضرورت پڑی' لہٰذا اُس وقت کے علماء اور فقہاء نے اجتہاد کیا اور

مختلف فقہاء نے ایک ہی مسئلے کے مختلف حل نکالے۔ ایسے اُمور ہمارے دین میں اختلافی امور ہیں۔ یا بعض ایسے معاملات بھی اختلافی امور سے تعلق رکھتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے دور میں آپؐ کی سنت سے کبھی ثابت ہیں اور کبھی نہیں' جیسے 'رفع یدین' کا معاملہ۔

اختلافی مسائل صرف وہی ہیں جن کے بارے میں دونوں طرف احادیث کی کوئی نہ کوئی سند یا دلیل موجود ہو' قطع نظر اس سے کہ ایک طرف صحیح حدیث ہو اور دوسری طرف ضعیف۔ لیکن وہ مسائل جن کے بارے میں سرے سے قرآن وسنت سے کوئی دلیل فراہم نہ کی جاسکتی ہو وہ بدعت ہیں' مثلاً رسمِ فاتحہ' رسمِ قل' دسواں' چالیسواں' گیارھویں' قرآن خوانی' میلاد' برسی' قوالی' چراغاں' کونڈے' جھنڈے وغیرہ ایسے افعال ہیں جن کا آج سے ایک صدی قبل کوئی تصور تک نہیں تھا۔

اختلافی مسائل میں ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ علماء کے فتوے جان لینے کے بعد خود اپنے دل سے بھی فتویٰ لیں کہ آیا ہم رخصتیں تلاش کر رہے ہیں یا خلوصِ دل سے مسئلے کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ جس پر دل کا اطمینان ہو اس پر عمل پیرا ہوں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ)) یعنی اپنے دل سے فتویٰ پوچھ۔ آیتِ قرآنی ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴾ (القیمة) کے مطابق انسان کو اپنے نفس پر بصیرت حاصل ہوتی ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔

ایک دوسرے پر اپنی رائے ٹھونسنا یا دوسرے کو قائل کرنے کے لیے زیادہ بحث ومباحثہ کرنا حکمتِ دین کے خلاف ہے۔ افہام وتفہیم کے انداز میں بات کرنی چاہیے اور اس امکان کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہوسکتا ہے دوسرا شخص درست کہہ رہا ہو اور آپ غلطی پر ہوں۔ ان فروعی اختلافات میں شدت اختیار کرنے کی وجہ سے ہمارا دین حصے بخرے ہوگیا ہے اور ہر طرف ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾ (الروم) کا نقشہ نظر آتا ہے۔

اختلافی امور کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اہم وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ حفاظتِ حدیث کے لیے ائمہ حدیث یا علمائے حدیث کی کاوشوں کو ضرور مدّنظر رکھنا چاہیے اور حدیث کے معاملے میں ان کی احتیاط اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے۔ علمائے حدیث کی قربانیوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما گواہی کے بغیر کسی کی حدیث قبول نہیں

کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ راویٔ حدیث سے قسم لیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ احتیاط کی خاطر احادیث بہت کم بیان کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تو احساسِ ذمہ داری سے ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔

امام رازیؒ کہتے ہیں ''پہلی بار طلبِ حدیث میں گھر سے نکلا تو سات سال تک سفر میں رہا''۔ امام بخاریؒ جنہوں نے بہت ناز و نعم میں پرورش پائی تھی' طلبِ حدیث کی خاطر غریب الوطنی میں بے انتہا صعوبتیں برداشت کیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ زادِ راہ ختم ہو گیا اور تن پر لباس بھی نامکمل تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ حصولِ علم کے لیے یمن آئے تو ازار بُن بُن کر گزارہ کرتے رہے اور واپسی پر ناںبائی کے مقروض تھے' اپنے جوتے قرض میں دے کر ننگے پیر روانہ ہو گئے۔ امام شافعیؒ کو گرفتار کر کے پیدل دارالخلافہ روانہ کیا گیا جہاں وہ قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا رہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب و سنت کی خاطر جو ستم برداشت کیے وہ تاریخ اسلام کا بڑا ہی المناک باب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا جنازہ جیل سے اٹھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ احادیث کی ان کاوشوں کا تذکرہ کرنا اس لیے ضروری ہے کہ موجودہ دور میں ہم اختلافی اُمور اور فروعی معاملات کو بنیاد بنا کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور فرقہ واریت اور انتہا پسندی نے ہمیں اتنا اندھا کر دیا ہے کہ ہم بڑے بڑے علماء کو تنقید کا نشانہ بنا دیتے ہیں' بغیر یہ دیکھے کہ علم و عمل میں وہ ہم سے کتنا آگے تھے۔ یہی فرقہ واریت ہمیں سنتِ رسولؐ کا صحیح علم ہو جانے کے بعد محض اس لیے اس پر عمل کرنے سے باز رکھتی ہے کہ ہمارے مسلک یا ہماری فقہ میں اس سنتِ رسولؐ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ سبھی علماء کرام نے مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ سنتِ صحیحہ سامنے آنے کے بعد ان کے اقوال و آراء کو بلا تامل ترک کر دیا جائے۔ میں چاروں ائمہ کرام کے اقوال مختصراً درج کر رہی ہوں تاکہ سنت کی اہمیت ہمارے اندر اُجاگر ہو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''جب تم میری کتاب میں کوئی بات سنت رسولؐ کے خلاف پاؤ تو میری بات چھوڑ دو اور سنت کے مطابق عمل کرو اور کسی بھی دوسرے شخص کی بات پر توجہ نہ دو''۔ (ابن عساکرؒ' نوویؒ اور ابن قیمؒ نے اس کا تذکرہ کیا ہے)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ''جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کر دیا وہ ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے''۔

امام ابوحنیفہؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر آپ کا کوئی قول قرآن کے خلاف ہو تو کیا کیا جائے؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ''قرآن کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو''۔ پھر پوچھا گیا کہ اگر آپ کا کوئی قول سنتِ رسولؐ کے خلاف ہو تو کیا کیا جائے؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''سنت کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو''۔ پھر پوچھا گیا کہ اگر آپ کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کے برعکس ہو تو کیا کیا جائے؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''صحابہؓ کے مقابلے میں بھی میرا قول چھوڑ دو''۔ (یہ قول عقد الجید میں ہے)

اسی طرح ایک موقع پر امام مالکؒ نے فرمایا: ''جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے یا عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں''۔ (فی شرح السنۃ)

چونکہ دین اسلام کی بنیاد دو ہی چیزوں پر ہے' قرآن اور سنت' لہٰذا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایک فقہ کے پیروکار نہیں تھے' بلکہ فقہ کا تو ابھی وجود بھی نہیں تھا' پھر بھی وہ افضل ترین لوگ تھے اور صحیح دین پر عمل پیرا تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے مسائل کے معاملے میں ہمیں دل و دماغ کو کھلا رکھنا ہوگا۔ ایک امام کو تھام کر دوسرے امام کو ناقابل عمل ٹھہرانا درست نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک چاروں ائمہ کرام کا اجتہاد اور تیار کردہ فقہ انتہائی قابل قدر علمی سرمایہ ہے جو کہ قرآن و سنت کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ آئندہ بھی حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق اجتہاد کی شرائط پر پورے اترنے والے فقہاء کے لیے سنت کی روشنی میں اجتہاد کی گنجائش ہر وقت موجود ہے اور اس سے عوام کو بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

قارئین کے استفادے کے لیے میں نے موضوع سے متعلق چند آیاتِ قرآنیہ اور احادیث کو یکجا کر دیا ہے تاکہ بوقت ضرورت انہیں ہینڈ بل کی شکل بھی آسانی دی جاسکے۔

موضوع سے متعلق آیاتِ قرآنیہ

☆ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳)

''آج مکمل کر دیا میں نے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین۔''

☆ ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (الحشر:۷)

''جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے رُک جاؤ۔''

☆ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴿۳۳﴾﴾

(محمد)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

☆ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ......﴾(الحجرات: ۱)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔''

☆ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ......﴾(النساء: ۵۹)

''اور اگر جھگڑا ہو جائے تمہارے درمیان کسی معاملے میں تو پھیر دو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف۔''

☆ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾(النساء: ۸۰)

''جس نے اطاعت کی رسول ﷺ کی تو درحقیقت اس نے اطاعت کی اللہ کی۔''

☆ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾(الانعام: ۱۵۳)

''اور یہ کہ یہی ہے میری سیدھی راہ سو اسی پر چلو' اور مت چلو دوسرے راستوں پر کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں۔''

موضوع سے متعلق احادیث

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر ان پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے' ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت''۔ (رواہ حاکم' صحیح)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے دین کی یہی دو بنیادیں یا اساسات (sources) ہیں۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین زمانہ میرا ہے' اس کے بعد صحابہ کرام کا' پھر تابعین کا۔ ان تین زمانوں کو آپ ؐ نے ''خیر القرون'' کا نام دیا ہے۔

☆ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارکہ کا کچھ حصہ یوں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ میرے بعد اُمت میں زندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھیں

گے۔ایسے حالات میں میری سنت پر عمل کرنے کو اپنے لیے لازم کر لینا اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو تھامے رکھنا اور اس پر جمے رہنا' نیز دین میں داخل نئی نئی باتوں سے بچنا' کیونکہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔(ابوداؤد)

☆ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:''بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور تم ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو گے''۔اور فرمایا سب فرقے گمراہ ہوں گے سوائے''مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ''یعنی ۷۳ فرقوں میں سے سیدھی راہ پر صرف وہ ہوگا جو نبی ﷺ اور صحابہؓ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا''۔

☆ ایک اور مقام پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:''تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر چلو اور خلفاء راشدین المہدیین کی سنت پر چلو''۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ (یعنی وہ نئی بات یا پھر اس کا ایجاد کرنے والا) مردود ہے''۔(متفق علیہ)

☆ مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کی بابت ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ (شخص یا وہ نئی بات) مردود ہے''۔

☆ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث مبارکہ ہے جس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ نبی ﷺ کا ایک خطبہ نقل کرتے ہیں جس کا کچھ حصہ یہ ہے:''امابعد! یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور بدترین کام دین میں نئے پیدا کردہ کام ہیں اور ہر نیا کام (بدعت) گمراہی ہے''۔اور ایک جگہ فرمایا:''ہر گمراہی کا انجام جہنم کی آگ ہے''۔

سنت کی اقسام

۱) سنتِ قولی: نبی اکرم ﷺ کا زبانی ارشاد''سنتِ قولی'' کہلاتا ہے۔

۲) سنتِ فعلی:''نبی اکرم ﷺ کے عمل مبارک کو''سنتِ فعلی'' کہتے ہیں۔

۳) سنتِ تقریری: آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی کام کیا گیا ہو اور آپؐ نے اس عمل پر خاموشی اختیار فرمائی ہو یا اظہارِ پسندیدگی کیا ہو''سنتِ تقریری'' کہلاتا ہے۔

بدعت کی مختلف شکلیں

۱) گمراہ کن فرقوں کے اعتقادات: باطل عقائد' مثلاً قبروں پر مرادیں مانگنا۔

۲) غیر مشروع نماز، روزہ یا عید: مثلاً عید میلاد النبیؐ منانا۔

۳) عبادات کی ادائیگی غیر شرعی طریقے پر کرنا۔ مثلاً: اذکار اور دعائیں اجتماعی طور پر آواز سے آواز ملا کر پڑھنا یا قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کے لیے محفلیں منعقد کرنا۔

☆ اپنے اوپر عبادات میں اتنی سختی برتنا کہ وہ سنتِ رسولؐ سے تجاوز کر جائے۔ مثلاً شادی نہ کرنا، یا ہمہ وقت عبادات میں لگے رہنا۔

☆ مشروع عبادت کو کسی وقت کے لیے خاص کر لینا جسے شریعت نے خاص نہ کیا ہو۔ مثلاً شب معراج (۲۷/رجب) کو خاص طور پر نوافل کا اہتمام کرنا۔

بدعات کا آغاز کیسے ہوا؟

دنیا میں جب بھی کسی مذہبی جماعت کو زوال آتا ہے تو کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں، جن میں سرفہرست یہ ہے کہ اس جماعت کی توجہ اپنے مذہبی شعائر کی روح پر سے ہٹ جاتی ہے اور ظاہری شکل وصورت پر مرتکز ہو جاتی ہے۔ یہ زوال کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی معاملہ دینِ اسلام کے ساتھ ہوا۔ ہمارے مذہبی شعائر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ہیں جو کہ فرض ہیں۔ ان سب کی ادائیگی کے مختلف طریقے ہیں جو ہمیں بتا دیے گئے ہیں اور یہی طریقے ان عبادات کی ظاہری شکل وصورت کہلاتے ہیں۔ دوسری چیز ان عبادات کی روح ہے۔ مثال کے طور پر نماز کی ایک ظاہری شکل ہے۔ تکبیر کہنے کا طریقہ، قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، یہ سب کس طرح ادا کیے جائیں، یہ رسم نماز ہے، جبکہ نماز کی ایک روح ہے، جیسے خشوع وخضوع یا اللہ کے حضور ہونے کا احساس، اس کی محبت سے سرشار ہو کر اُس کے ذکر میں مگن ہونا، اس کے احسانات کے بوجھ تلے اس کے سامنے عاجزی سے شکر بجالانا، یہ سب نماز کی روح ہے۔ اسی طرح روزے کی روح تقویٰ ہے۔ علامہ اقبال نے اسے اپنے ایک شعر میں بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے ۔

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

زوال کے دوسرے مرحلے میں انہی مذہبی شعائر پر مزید توجہ بڑھ جاتی ہے، یعنی عبادات کے ظواہر میں اضافہ ہونے لگتا ہے اور نئی نئی رسمیں اور بدعات رواج پا جاتی ہیں۔ دینِ اسلام کے زوال کے دوسرے مرحلے میں بھی یہی ہوا کہ اصل یعنی کتاب وسنت سے توجہ ہٹی تو رسومات اور بدعات میں اضافہ ہوا۔ زوال میں جتنا اضافہ ہوا بدعات ورسومات اتنی زیادہ بڑھیں۔

آج ہم دیکھ سکتے ہیں کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں رسومات وبدعات کا طوق ہماری گردنوں میں پڑ چکا ہے جن کی ادائیگی کی کوششوں میں ہم اپنے فرائض سے بھی دور ہوگئے ہیں۔ دینی علم سے دوری ہوئی تو جہالت میں اضافہ ہوا' خواہشات کی پیروی کی جانے لگی' دیگر اقوام کی مشابہت اختیار کی گئی' اندھی تقلید ہوئی اور اختلافات میں اضافہ ہوا' دین کی اصل شکل مسخ ہوگئی اور نئی پیدا شدہ صورتیں اصل دین کہلانے لگیں۔ سنتیں مردہ ہوگئیں اور بدعتیں زندہ ہوگئیں۔

اجتماعی قرآن خوانی کی بدعت کا آغاز کیسے ہوا؟

ہمارے ہاں مختلف بدعات کی مختلف وجوہات یا back grounds ہیں۔ اجتماعی قرآن خوانی آج بہت عام ہے اور اس کو بدعت کہنے والے پر وہابی کا ٹھپہ بآسانی لگا دیا جاتا ہے۔ عوام الناس میں یہ نہایت مقبول ہے اور ہماری اکثریت اسے ثوابِ دارین حاصل کرنے اور ایصالِ ثواب کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آج سے ایک صدی پہلے اس بدعت کا نام ونشان تک نہ تھا۔ قرآن خوانی کی محافل میں قرآن کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے اسے دیکھ کر دلی دکھ ہوتا ہے۔ قرآن پڑھنے والے اکثر خواتین وحضرات ناظرہ صحیح طور پر پڑھنا نہیں جانتے' کچھ لوگ دل ہی دل میں پڑھ رہے ہوتے ہیں' کچھ کے صرف لب ہلتے نظر آتے ہیں' کچھ افراد ایسے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں کہ ایک ہی سیپارہ دو افراد پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ قرآن کو پارہ پارہ کرکے پڑھا جاتا ہے' سورتوں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ بہت سے افراد مل کر ایک قرآن پڑھتے ہیں۔ پاکستان میں ایسی محفلوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ آج کل ہر محلے میں یہ منعقد ہوتی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن کس لیے نازل ہوا تھا؟ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کے ہم پر مندرجہ ذیل پانچ حقوق ہیں:

۱) اسے مانا جائے۔ یعنی اس پر ہمارا ایمان ہونا چاہیے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

۲) اسے پڑھا جائے۔ یعنی اسے صحیح تلفظ اور صحیح ادائیگی کے ساتھ پڑھا جائے تاکہ مفہوم نہ بدلے۔

۳) اسے سمجھا جائے۔ یعنی اس کا ترجمہ پڑھا جائے تاکہ معلوم ہو کہ اس میں کیا لکھا ہے اور پھر اس پر غور وفکر بھی کیا جائے' تاکہ احکام کی حکمت معلوم ہو۔

۴) اس پر عمل کیا جائے۔ یعنی اس کو سمجھ لینے کے بعد اس کے مطابق عمل کو بھی درست کیا جائے۔

۵) اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ یعنی جس خیر کو اپنے لیے لائحہ عمل بنایا ہے دوسروں کو بھی

اس کی طرف بلایا جائے۔

ہمارے ہاں منعقد ہونے والی قرآن خوانی کی محافل میں ہم پر عائد ہونے والے مندرجہ ذیل پانچ حقوق میں سے کسی ایک کا بھی حق ادا نہیں ہوتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن خوانی کا یہ طریقہ نہیں بتایا اور نہ ہی صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں سے کسی سے یہ ثابت ہے تو پھر بعد میں اس طور سے قرآن پڑھنے کا طریقہ عوام الناس میں اتنا مقبول اور عام کیونکر ہو گیا؟

اس کا آغاز ہندوؤں کی ایک رسم سے ہوا ہے جسے ''تیجا'' کہتے ہیں۔ ہندو اپنے مرنے والے کا تیجا کرتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق مرنے والے کی روح تیسرے دن چکر لگاتی ہے لہٰذا اس دن باقاعدہ روح کے استقبال کے لیے تیاری ہوتی ہے۔ لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے' ایک تقریب کا سا سماں ہوتا ہے۔ اپنی مذہبی کتاب میں سے کچھ پڑھا بھی جاتا ہے۔ جب دو تہذیبیں مل جل کر رہتی ہیں تو لامحالہ ایک دوسرے سے رنگ پکڑتی ہیں۔ جہاں بہت سے معاملات میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے طور طریقے اپنائے وہاں مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کے رسوم و رواج سے بہت اثر قبول کیا۔ ''تیسرے دن کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے'' کا تصور وہیں سے مسلمانوں میں آ گیا اور لفظ ''تیجا'' کو مشرف با سلام کر کے اسے ''سوئم'' کا نام دے دیا گیا۔ اس دن کھانے پینے کا اہتمام بھی ہونے لگا اور مردے کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے گٹھلیوں اور چنوں پر کچھ پڑھا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ رسم سوئم نے ''رسمِ قل'' کا نام اختیار کر لیا اور پھر ''قرآن خوانی'' کا لفظ بھی پہلے پہل انہی تقریبات میں سننے میں آیا۔ جس وقت ان بدعات کا آغاز ہوا بعض علماء نے ہمت سے کام لیتے ہوئے ان کے خلاف آواز بھی بلند کی۔ خاص طور پر اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بہت اونچا مقام ہے کہ بدعات و رسومات کے خلاف ''اصلاح الرسوم'' کے عنوان سے باقاعدہ تصانیف بھی لکھیں۔

لیکن پاکستان بننے کے بعد ہمارے بعض علماء بھی مجبور ہو گئے۔ ہوا یہ کہ بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی مسجدیں بنائی گئیں۔ پھر اُن کو آراستہ و پیراستہ کرنے اور قالین وغیرہ بچھانے کے لیے بڑے بڑے فنڈز درکار ہوتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ ایسے فنڈز کے حصول کے لیے سیٹھوں کی جانب رجوع کرنا پڑتا تھا۔ پھر کسی سیٹھ کی طرف سے اگر فرمائش آتی تو انکار کرنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ لہٰذا ہمارے بعض علماء اس کمزوری کو خود تسلیم کرتے ہیں کہ مجبوراً

ہمیں ایسی محافل میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ اگرچہ اس میں تھوڑی سی بہتری تو کی گئی کہ گٹھلیاں اور چنے ختم کر دیے گئے مگر ''قرآن خوانی'' ہونے لگی۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ دین سے دُوری اور علم کی کمی کے نتیجے میں ظواہر یا رسومات پر توجہ بڑھ جاتی ہے اور اُن میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح رسمِ قرآن خوانی میں اضافہ اس طرح ہوا کہ بڑے شہروں میں' ماڈرن آبادیوں میں' بنگلوں میں رہنے والی خواتین نے اس بدعت کو پہلے اپنایا (اس کے پس پردہ اگرچہ ان کی نیت اچھی تھی' مگر چونکہ قرآن اور سنت سے ماخوذ نہیں تھی لہٰذا اچھی نیت سے کیا گیا عمل بھی اگر بدعت ہو تو ضائع چلا جاتا ہے بلکہ باعثِ سزا بن جاتا ہے) اور اس خیال سے کہ جہاں عورتیں دنیا کے دوسرے دھندے کرتی ہیں اور اپنی تقریبات میں بہت سے غلط کام (ناچ گانا وغیرہ) کرتی ہیں وہاں کچھ نہ کچھ دین و مذہب کا کام بھی ہونا چاہیے۔ کوئی خیر کی بات ہو' کچھ ملنا جلنا بھی ہو جائے' قرآن بھی پڑھ لیا جائے' تاکہ حصولِ ثواب ہو۔ ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے بھی بعض اوقات یہ چیزیں ضروری ہو جاتی ہیں' لہٰذا اس قسم کی تقریبات مختلف عنوانات سے ہونے لگیں۔ کہیں آیت کریمہ کا ورد' کہیں معین تعداد میں سورۃ یٰسٓ شریف' کہیں قرآن خوانی برائے ایصالِ ثواب۔ اور اب اس پر مستزاد یہ کہ کہیں قرآن خوانی اس عنوان کے تحت کہ نئے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں اور کہیں اس وجہ سے کہ بچی کی شادی کی رسومات کے آغاز سے پہلے اللہ کا نام لیا جائے بعنوان قرآن خوانی۔

ان محافل میں بظاہر احوال جو افادیت کا پہلو ہے اس میں کوئی شبہ نہیں' کیونکہ یہ محافل ناچ گانے کی نہیں ہیں بلکہ قرآن پڑھا جا رہا ہے یا آیت کریمہ جیسی عظیم آیت پڑھی جا رہی ہے اور خلوصِ نیت سے پڑھی جا رہی ہے' جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن کو پڑھنے کا ثواب اس کو بھی ملتا ہے جو اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے یا جو پڑھنا نہیں جانتا اور صرف باوضو ہو کر عقیدت سے قرآن کھول کر اُس کی سطروں پر صرف انگلیاں پھیرتا رہتا ہے۔ پھر کیوں اس معاملے کو بدعت کی لسٹ میں شامل کیا جا رہا ہے؟ ہمیں معاملے کی تہہ تک پہنچنا ہوگا اور اس ''کیوں'' کا جواب مندرجہ ذیل تین باتیں سمجھ لینے کے بعد مل جانا چاہیے۔

پہلی بات: ہمارا دین مکمل ہے اور عبادات سے متعلق تمام امور یا حصولِ ثواب کے تمام طریقے ہمیں بتا دیے گئے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہم پر لازم ہے۔ عبادات سے متعلق جو بھی نیا طریقہ ہوگا وہ سب بدعت ہے۔

دوسری بات : بدعت کو پہچاننے کے لیے کسوٹی قرآن حکیم' سنتِ رسولؐ اور سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ جس چیز کی سند کسی حدیث میں نہ ملے وہ بدعت ہے۔

تیسری بات : نماز پڑھنے کا جو طریقہ ہمیں نبی اکرم ﷺ نے سکھایا ہے اس میں ہر رکعت میں دو سجدے ہیں اور نماز اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر اللہ کا مزید تقرب حاصل کرنے کے لیے ہم تین سجدے کریں تو ہماری نماز ہی باطل ہو جائے گی یا سجدے میں قرآن کی تلاوت شروع کر دیں تو نماز غلط ہو جائے گی۔ اگرچہ ہم نے اچھے کلمات ہی ادا کیے ہوں لیکن طریقہ سنت کے خلاف ہو جانے سے اللہ کی نافرمانی کے زمرے میں آئے گا۔ ایسی نماز قطعاً قابل قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح تمام عبادات کا معاملہ ہے۔ کسی نئی پیدا شدہ بات کے بارے میں اتنا ضرور سوچیں کہ کیا ہمارے دین میں کمی رہ گئی ہے؟ یا نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں کمی رہ گئی ہے؟ یا وہ اُمت کو بتانا بھول گئے؟ نعوذ باللہ! دین اسلام کے بارے میں ایسی سوچ انسان کو راہِ راست سے بہت دور لے جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی متفق علیہ حدیث ہر دم ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

''جس نے ہمارے اس دین کے اندر کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے''۔ یعنی نکالنے والا بھی مردود ہے اور وہ چیز بھی مردود ہے۔

ایک حدیث مبارکہ ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ حَتّٰی یَدَعَ بِدْعَتَهٗ))

''اللہ تعالیٰ بدعتی کی توبہ قبول نہیں کرتا جب تک وہ بدعت چھوڑ نہ دے۔''

علاوہ ازیں مسلم کی ایک روایت کی رو سے بدعتی پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ حدیث مبارکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

موجودہ دَور میں بیشتر بدعات کا تعلق حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب سے ہے۔ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ حصولِ ثواب کی نسبت ایصالِ ثواب یا مُردے سے متعلق بدعات تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے دین کی محکم تعلیم جو قرآن وسنت پر مبنی ہے' وہ یہ ہے:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (البقرة:٢٨٦)

یعنی ہر ذی نفس کو اپنے اچھے یا برے اعمال کا پورا پورا بدلہ روزِ قیامت مل کر رہے گا۔

قرآن میں یہ مضمون بار ہا آیا ہے۔ مکی سورتوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے عمل کو درست کرنے کے لیے قیامت کا تذکرہ بتکرار کیا گیا ہے' مگر آج جبکہ ہم قرآن کی بنیادی تعلیمات سے دُور ہو چکے ہیں' عمل سے فارغ ہیں' اگرچہ قیامت کو مانتے ہیں' اپنی غلطیوں کا کچھ نہ کچھ احساس بھی رکھتے ہیں۔ اچانک اپنی یا اپنے کسی عزیز کی موت کو قریب دیکھتے ہیں تو ہمارا کمزور ایمان ہمیں احساس دلاتا ہے کہ اگر بالفرض خدا کے حضور پیشی ہوگئی تو کیا ہوگا۔ لہٰذا اب ہمیں ایصالِ ثواب کی فکر پڑ جاتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لواحقین کو یہ وصیت کر جاتے ہیں کہ ہمارے لیے اتنے قرآن اور اتنے نوافل ضرور پڑھنا جبکہ اپنی زندگی میں قرآن اور نماز سے غافل رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایصالِ ثواب کی مد میں ہم نے لاتعداد بدعات کا اضافہ کر لیا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایصالِ ثواب کے متعلق ہمارا دین کیا کہتا ہے اور یہ مسئلہ کس نوعیت کا ہے۔

اپنی اس تحریر کے آغاز میں مَیں نے ''ایک ضروری وضاحت'' کے ذیل میں اختلافی مسائل پر مختصراً روشنی ڈالی تھی۔ ایصالِ ثواب یعنی مردے کو قبر میں ثواب پہنچانا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس کے دو حصے ہیں:

۱) مال کے ذریعے ایصالِ ثواب

۲) بدنی عبادات کے ذریعے ایصالِ ثواب

جہاں تک مال کے ذریعے ایصالِ ثواب ہے' یعنی کسی غریب کی مدد کرنا یا کوئی کنواں کھدوانا اور اس کا ثواب مردے کو بخش دینا' تو یہ اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ تقریباً سبھی علماء کے نزدیک مال کے ذریعے ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بدنی عبادات کے ذریعے ایصالِ ثواب ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ یعنی نوافل پڑھ کر بخشنا' نفلی حج و عمرے کا ثواب پہنچانا' یا قرآن پڑھ کر بخشنا۔ ہمارے بعض علماء کے نزدیک ان بدنی عبادات کا ثواب مردے کو نہیں پہنچتا' جبکہ دوسری طرف بھی بڑے جید علماء ہیں جو بدنی عبادات کے ایصالِ ثواب کے قائل ہیں۔ لہٰذا آغاز میں کی گئی وضاحت کے حوالے سے میں دوبارہ یہ بات کہوں گی کہ اختلافی معاملات میں ہمیں اپنے ذہن و قلب میں وسعت پیدا کرنی ہوگی۔ تمام علماء کی آراء معلوم کر کے اور کتاب و سنت کو کھنگال کر خود خلوصِ نیت سے اپنے دل سے بھی فتویٰ لیں۔

ہمارے جو علماء مالی ایصالِ ثواب کے قائل ہیں ان کا موقف ہے کہ چونکہ مالی ایصالِ ثواب میں کچھ فائدہ ناداروں اور غرباء کا بھی ہوتا ہے لہٰذا اس کا ثواب مردے کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ جبکہ نفلی عبادات انسان اپنے اُخروی فائدے کے لیے اپنی زندگی میں کرتا ہے۔ اس کی نفلی عبادات سے اس کا اپنا تقویٰ بڑھتا ہے' اس کا اپنا رشتہ اللہ سے مضبوط ہوتا ہے' دوسروں کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے موقف کے استدلال میں آیت ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾﴾ (النجم) پیش کرتے ہیں اور مستند احادیث کا حوالہ دیتے ہیں۔

جبکہ وہ علماء جو بدنی ایصالِ ثواب یعنی نفل نماز' روزے' حج یا قرآن پڑھ کر مردے کو ثواب پہنچانے کے قائل ہیں' وہ بھی اگرچہ احادیث مبارکہ سے ہی استدلال کرتے ہیں مگر مستند احادیث کا حوالہ نہیں دیتے۔

بہر حال چونکہ اس ضمن میں وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے لہٰذا اگر کسی کو کسی رائے سے اختلاف ہے تو اسے پورا حق حاصل ہے کہ اپنی رائے پر عمل کرے! احادیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمے فرض حج (جو کسی عذر کی بنیاد پر نہ کر سکا ہو' وگرنہ جان بوجھ کر نہ کرنے والے کے بارے میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہے کہ وہ اسلام میں نہیں رہا) یا نفلی نذر مانا ہوا حج ہو تو اس کے ورثاء اس کی طرف سے حج کریں۔ اسی طرح فرض روزے بھی جو کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئے ہوں میت کی طرف سے رکھے جا سکتے ہیں۔ وگرنہ جان بوجھ کر روزہ چھوڑنے پر تو بہت بڑی وعید ہے' کیونکہ ان ارکان پر ہی تو دین کی عمارت کھڑی ہے۔ زکوٰۃ بھی چونکہ غرباء کا حق ہے لہٰذا اگر کسی کے ذمے یہ حق باقی تھا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی جانب سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہی معاملہ قرض کا بھی ہے۔ ایصالِ ثواب کے ان طریقوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ایصالِ ثواب سے متعلق بدعات

ایصالِ ثواب سے متعلق جو بدعات رائج ہیں وہ یہ ہیں کہ اجتماعی طور پر ایک ہی قرآن مل جل کر بخشا جاتا ہے' یا اجتماعی طور پر گٹھلیاں پڑھی جاتی ہیں یا خاص دن بنام سوئم' دسواں' چالیسواں' برسی' جمعراتیں' منایا جاتا ہے۔ ان سب چیزوں کا تذکرہ آج سے ایک صدی قبل بھی نہیں تھا۔

فوت شدہ شخص کو ثواب پہنچانے کے ضمن میں جو چیز ہمیں سیرتِ طیبہ سے ملتی ہے وہ دعا

اور استغفار ہے۔ دعا کے معاملے میں اللہ نے ہم پر کوئی پابندی نہیں رکھی سوائے اس کے کہ مشرکین اور کفار کے لیے دعائے استغفار نہیں کی جا سکتی' صرف ہدایت کی دعا کی جا سکتی ہے' لیکن مسلمان کے لیے خواہ کتنا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو' ہم بخشش کی دعا کر سکتے ہیں۔ کسی زندہ نیک شخص سے دعا کی درخواست بھی کی جا سکتی ہے۔ دعا کرنے کا حق ہمیں ہر وقت حاصل ہے۔ انسانی کیفیت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہے۔ کسی نیک عمل کے بعد یا ایمانی کیفیت سے قرآن اور نماز پڑھنے کے بعد جو دعا کی جائے گی بلاشبہ وہ دل سے نکلی ہوئی ہوگی لہٰذا اس میں تأثیر بھی زیادہ ہوگی۔

دعا کے ضمن میں ایک اہم بات سمجھنے کی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کا مانگنا بہت پسند ہے اور اس کے خزانے اتھاہ ہیں۔ وہ کہتا ہے مجھ سے مانگو جو چاہو اور جتنا چاہو' میں تمہیں دوں گا۔ جبکہ بندے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس سے کوئی چیز بار بار مانگ لی جائے تو وہ تنگ پڑ جاتا ہے اور کہتا ہے اب اگر مانگی تو قطعاً نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کے برعکس ہے' لیکن دو شرائط کے ساتھ ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴾ (البقرۃ)

''اور جب سوال کریں (اے نبیؐ!) آپؐ سے میرے بندے میرے بارے میں تو میں قریب ہی ہوں' ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں' پس چاہیے کہ وہ بھی تو میرا کہنا مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں' تاکہ وہ کامیاب ہو جائیں!۔''

ہمارا ایمان باللہ کمزور پڑا۔ ہم نے اس کا کہنا ماننا چھوڑا تو ہماری دعاؤں سے تأثیر بھی کم ہوتی چلی گئی۔ لہٰذا حرام خوری اور فحاشی و عریانی کے ساتھ مانگی گئی دعائیں قبولیت سے خالی ہو گئیں۔ پھر ہم گن گن کر نیکیاں کرنے لگ گئے' گن گن کر ثواب بخشوانے لگ گئے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمارے کرتوت کیا ہیں' کس مُنہ سے اللہ سے مانگیں' ہمارا اللہ کے ساتھ وہ تعلق ہی نہیں ہے جو ایمانِ حقیقی اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ ہمارے اندر یہ یقین کہاں سے آئے کہ اللہ میری ہر دعا سنے گا اور قبول کرے گا' جبکہ ہم نے اس کے دین کے لیے کوئی قربانی بخوشی قبول نہ کی ہو اور نہ ہی ہم اپنے نفس پر کوئی مشقت برداشت کرنے کو تیار ہوئے ہوں۔ لہٰذا ہم لذت و حلاوتِ مناجات سے محروم ہو گئے۔ اسی لیے ہم نے اس کی تلافی کے

لیے بے شمار نئے دھندے ایجاد کر لیے جن کی ہمارے دین کے اندر اصل میں کوئی حقیقت نہیں۔ کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ سنتِ صحابہؓ اور سنتِ خلفائے راشدین میں بھی اس قسم کی کسی تقریب کا تذکرہ نہیں ملتا۔ ان نئی رواج یافتہ تقریبات کے معاملے میں ہمارا طرزِ عمل حکیمانہ ہونا چاہیے۔ براہِ راست فتویٰ بازی مؤثر نہیں ہوتی' بلکہ ضد پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے' لہٰذا بات کو اچھے انداز میں سمجھا دینا چاہیے اور خود ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں دین کے ہر معاملے میں اپنا مزاج یہ بنالینا چاہیے کہ قرآن اور سنت سے کوئی ثبوت مل جائے تو اسے اپنالیں اور اگر نہ ملے تو ترک کر دیں' کیونکہ حصولِ ثواب یا عبادات کے معاملات نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں مکمل ہو گئے تھے۔ کسی نئے عمل کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ یا تو وہ عمل کسی کے پھیلائے ہوئے فتنے کا نتیجہ ہے یا غیر مسلم اقوام سے قرب اور تعلق کی بنا پر یہ چیزیں ہمارے اندر آ گئی ہیں۔

قرآن خوانی کے پس منظر یا back ground کی طرح عید میلاد النبیؐ اور کونڈوں کے back grounds بھی یہاں میں مختصراً نقل کر رہی ہوں' تا کہ ان چیزوں کی قباحت بھی ہم پر واضح ہو کہ نیکی کے حصول کے پس پردہ ہم کن شیطانی حربوں کا شکار ہو گئے ہیں۔

عید میلاد النبیؐ کی حقیقت

عراق کے ایک بادشاہ ملک مظفر ابوسعید نے' جو ایک بے دین عیش پرست انسان تھا' ۶۰۴ھ میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مل کر اس رسم کو ایجاد کیا' جو ایک دنیا پسند کذاب مولوی تھا۔ بادشاہ نے اس مولوی کو ایک ہزار دینار انعام دیا' لہٰذا مولوی نے اس کے حق میں فتویٰ دے دیا۔ یہ بادشاہ ہر سال عید میلاد النبیؐ کے موقع پر تیس ہزار دینار خرچ کرتا' جس میں مولوی اور صوفی حضرات اپنا حصہ ڈال کر برابر اضافہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ لاہور میں دہلی دروازے کو میلاد چوک بنا دیا گیا' اکیس توپوں کی سلامی کا آغاز ہوا' اور جیسا کہ ہم سب دیکھ رہے ہیں ابھی تک مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آج ہمارے بچوں کے نصاب کی کتابوں میں تین عیدوں کا تذکرہ ملتا ہے' جبکہ احادیثِ مبارکہ سے صرف دو عیدیں ثابت ہیں۔ اندھے عشق میں ہم یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول نبی اکرم ﷺ کی وفات کا دن ہے' جبکہ پیدائش کے دن کے بارے میں تو اختلاف ہے۔ جس دن کو ہم نے عید کا نام دیا ہے سوچنے کی بات ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیسی قیامت ٹوٹ پڑی تھی اس دن!

۱۲ربیع الاول سے متعلق بدعات میں حلوے مانڈے پکا کر تقسیم کرنا' میلاد کی محفلیں سجانا' مساجد میں روشنی کرنا' جلوس نکالنا' سبیلیں لگانا اور بے شمار چیزیں شامل ہیں۔

کونڈوں کی حقیقت

۲۲ رجب کو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا دن منانے کے حوالے سے کونڈے کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ امام جعفر نہ تو اس دن پیدا ہوئے اور نہ ہی وفات پائی' بلکہ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ہے۔ شیعہ حضرات امیر معاویہؓ کی وفات کے دن خوشیاں مناتے تھے اور اس خاطر کہ اس کا اظہار نہ ہو' گھروں کے اندر بند ہو کر حلوے مانڈے پکا کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا بھلا کہتے تھے۔ بعد میں جب یہ بدعت سنی مسلمان گھرانوں میں پہنچ گئی تو اب اس کو امام جعفر صادق کی پیدائش کا دن مشہور کر کے خوشیاں مناتے ہیں۔ تمام مسلمان دین سے دوری کی وجہ سے ان بدعات میں شریک ہو جاتے ہیں۔

یہ رسم مسلمانوں میں کس طرح عام ہوئی؟ ہوا یوں کہ ۱۹۰۶ء میں ریاست رام پور میں امیر مینائی لکھنوی کے فرزند خورشید احمد مینائی نے جو خود شیعہ تھا' ایک عجیب وغریب کہانی چھپوا کر رام پور کے مسلمانوں میں تقسیم کروا دی۔ اس جھوٹی داستان کا نام ''داستانِ عجیب'' اور ''نیاز نامہ'' رکھا گیا۔ پھر اس کے بعد نواب حامد علی نے اس کی اشاعت اور کونڈوں کی عام ترویج میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس طرح یہ رسم پہلے رام پور سے لکھنؤ اور پھر رفتہ رفتہ دوسرے مقامات تک پہنچی۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں: ''میں ان دنوں ریاست رام پور میں امیر مینائی کا ہمسایہ تھا اور میرے گھر والوں کے ان سے بہت گہرے مراسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس واقعے سے پوری طرح واقف ہوں''۔

افسانہ تراش کہتے ہیں کہ امام جعفرؒ نے خود فرمایا کہ جو شخص ۲۲ رجب کو میرے نام کی نیاز کے طور پر کونڈے کرے اور اپنی حاجت مانگے تو ضرور پوری ہوگی' اگر پوری نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن اور اس کا ہاتھ ہوگا۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان ایسی بات نہیں کر سکتا۔ یہ امام جعفرؒ پر بہتان ہے کہ وہ شرک اور کفر کی تلقین کریں۔ نذر و نیاز صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ غیر اللہ کی نیاز شرک ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

بدعت کی پہچان اور اس کی قباحت کا علم ہونے کے بعد پہلا سوال ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ اگر حصول و ایصالِ ثواب کے مروّجہ بیشتر طور طریقے بدعات ہیں تو پھر مسنون کیا ہیں؟ ظاہر

بات ہے کہ ہماری معنوی و روحانی حیات اس بات کی طالب ہے کہ کچھ نہ کچھ ثواب کے کام کیے جائیں۔ اس کی ضرورت کس طرح پوری ہوگی؟ اس کا آسان جواب تو یہ ہے کہ احادیثِ مبارکہ کی کتب کا مطالعہ کریں۔ مسنون عبادات اور اذکارِ مسنونہ کے متعلق ابواب کو بغور پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر تمام دن بھی انہیں پڑھتے رہیں تو دن ختم ہو جائے گا مگر یہ ختم نہیں ہوں گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اتنا کثیر مواد ہمارے پاس پڑھنے کے لیے موجود ہے تو پھر غیر مسنون عبادات پر توجہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔

قارئین کی سہولت کے لیے ہم نے احادیث کی مستند کتابوں سے کچھ مسنون عبادات یعنی مسنون نوافل اور مسنون روزے جو سیرتِ طیبہ سے ثابت ہیں، یہاں جمع کر دیے ہیں۔

فرض کے مقابلے میں جب نفل بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ہر وہ نماز ہوتی ہے جو فرض اور واجب کے علاوہ ہو، خواہ وہ سنت مؤکدہ ہو، سنت غیر مؤکدہ ہو یا مستحب ہو۔

نوافل

پانچ فرض نمازوں کے ساتھ سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تفصیل بحمد اللہ ہم سب کو معلوم ہے۔ ان کے علاوہ جن نوافل کی نبی اکرم ﷺ نے ترغیب و تشویق دلائی ہے اور فضیلت بیان کی ہے وہ یہ ہیں:

تہجد: قرآن اور سنت دونوں سے تہجد کے نوافل کی سند اور ترغیب ملتی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز تہجد کو قرار دیا ہے۔

نماز تراویح: نبی اکرم ﷺ دورِ صحابہ اور دورِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں یہ نماز پڑھی گئی۔ رمضان المبارک میں قیام اللیل اور خاص طور پر شبِ قدر کی عبادت کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔

نماز چاشت: یہ مستحب ہے، یعنی نبی اکرم ﷺ کا وہ فعل جو کبھی کبھی کیا ہو۔ کرنے کا ثواب ہے اور نہ کرنے کا گناہ نہیں ہے۔ بعض علماء کے نزدیک چاشت اور اشراق ایک ہی نماز کا نام ہے، جبکہ بعض کے نزدیک سورج نکلنے کے فوراً بعد کا وقت اشراق کا ہے اور زوال سے کچھ پہلے کا وقت چاشت کا ہے۔

تحیۃ المسجد: بخاری و مسلم کی حدیث ہے ''جب تم میں سے کوئی مسجد جایا کرے تو جب تک دو رکعت نفل نہ پڑھ لے نہ بیٹھے''۔

تحیۃ الوضوء: صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص اچھی طرح وضو کر کے دو

رکعت نفل پورے خلوص سے پڑھ لیا کرے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے''۔

نوافل سفر : سفر پر جانے سے پہلے دو نفل اور واپس گھر پہنچ کر دو نفل پڑھنا مستحب ہے۔

صلوٰۃ الاوّابین : یہ نوافل مغرب کے بعد دو دو رکعت کر کے چھ رکعات تک پڑھے جا سکتے ہیں۔ یہ ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہیں۔

اس کے علاوہ استخارہ' توبہ اور حاجت کے لیے نوافل ادا کرنے' صلوٰۃ التسبیح اور مصیبت کے وقت نوافل وغیرہ کی سند ہمیں احادیث مبارکہ سے ملتی ہے۔

نفلی روزے

ماہ شوال کے چھ روزے: یہ مستحب ہیں۔ مسلم کی روایت ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے رمضان کے روزے رکھے' اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ پورے زمانے کے روزے رکھنے کی مانند ہے''۔

سوموار اور جمعرات کا روزہ: یہ بھی مستحب ہے۔ ترمذی کی ایک روایت کی رو سے رسول اللہ ﷺ جمعرات کا روزہ اس لیے رکھتے تھے کہ اس دن اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے پسند فرمایا ہے کہ جب اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جائیں تو آپؐ روزے سے ہوں۔ اور مسلم کی ایک روایت کی رو سے آپ ﷺ سوموار کا روزہ اس لیے رکھتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن میری بعثت ہوئی' یعنی وحی کا آغاز ہوا۔ عید میلاد النبی منانے والوں کو چاہیے کہ اگر یوم ولادتِ نبیؐ منانے کا شوق ہے تو ہر سوموار کو روزہ رکھیں۔

مسنون روزے

ایامِ بیض' یعنی ہر قمری مہینے کی تیرھویں' چودھویں اور پندرھویں کا روزہ: متفق علیہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان تین دنوں کے روزے رکھنا سال بھر کے روزے رکھنے کے برابر ہے۔

یوم عرفہ کا روزہ : ۹ ذوالحجہ کو یومِ عرفہ کہا جاتا ہے۔ مسلم کی روایت ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یومِ عرفہ کا روزہ آئندہ اور گزشتہ دونوں سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہے''۔ یعنی وہ صغیرہ گناہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ ذی الحجہ کے پہلے عشرے کی عبادات کی احادیث مبارکہ میں بہت اہمیت بیان کی گئی ہے۔

عاشورہ اور نویں محرم کا روزہ: نبی اکرم ﷺ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس دن کا

روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک متفق علیہ حدیث میں اس کی سند موجود ہے۔

اس دن کے روزے کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا: ''کیوں رکھتے ہو؟'' انہوں نے کہا اس دن آلِ موسیٰ کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ سے ہمارا تعلق زیادہ ہے' ہم اس روز تم سے زیادہ روزہ رکھنے کے حق دار ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے دس محرم کا روزہ رکھا اور فرمایا اگر اگلے سال زندہ رہا تو نویں کا روزہ بھی رکھوں گا تا کہ یہود سے مخالفت ہو۔ سوچنے کا مقام ہے کہ آج ۹ اور ۱۰ محرم کو کس واقعے سے منسوب کر کے کیا کیا ہو رہا ہے!

مسلم کی روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز کے بعد افضل روزہ اللہ کے مہینے محرم کا روزہ رکھا ہے اور فرض نمازوں کے بعد افضل نماز تہجد کی نماز ہے''۔

شعبان کے روزے: ایک متفق علیہ روایت سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شعبان میں رکھتے تھے۔ ایک اور روایت کی رو سے سوائے چند دن کے آپؐ نے پورا شبان روزے رکھے' مگر اُمت کو حکم دیا کہ نصف شعبان کے بعد روزہ نہ رکھو' ہاں اگر روزہ رکھنے کی عادت ہے تو ٹھیک ہے' تا کہ رمضان المبارک کی تیاری کی جائے۔

ایک دن چھوڑ کر ایک دن کا روزہ رکھنا: یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور اس کی فضیلت بھی ہے۔

نفل نمازوں اور روزوں کے علاوہ تمام دن پڑھنے کے لیے ہمیں مسنون دعائیں اور مسنون اذکار بے شمار کتابوں میں کثیر تعداد میں مل جاتے ہیں۔ ان کی تعداد اتنی ہے کہ سارا دن زبان ذکر الٰہی سے تر رہ سکتی ہے۔ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے ہمیں لوگوں کے بتائے ہوئے اذکار اور دعاؤں کی ضرورت نہیں رہتی۔ مسنون عبادات' روزے' دعائیں اور اذکار یہ سب حصولِ ثواب کا ذریعہ ہیں۔

ایصالِ ثواب کے ضمن میں بھی یہ سوال ابھرتا ہے کہ مروجہ بدعات کو چھوڑیں تو اپنے مردے کے لیے مسنون طریقے سے کیا کچھ کیا جا سکتا ہے؟ سیرت کی کتابوں سے ہمیں جو چیزیں ملتی ہیں یہاں اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ تین دن

سے زیادہ کے سوگ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ صرف بیوہ کے لیے سوگ کی مدت چار ماہ دس دن ہے۔ تین دن تعزیت کے لیے آنے جانے والوں سے ملاقات ہے۔ اس کے بعد معمول کے شب و روز ہوں۔ پہلی عید پر اچھے کپڑے نہ پہننا یا یومِ عید کو یومِ سوگ کے طور پر منانا جائز نہیں ہے۔ بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا فوت ہو گیا' تیسرے دن انہوں نے زرد خوشبو منگوا کر استعمال کی اور فرمایا: ''شوہر کے علاوہ کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا گیا ہے''۔

آج کل میت کے حوالے سے لاتعداد بدعات رائج ہیں جن کا تعلق میت کے کفن دفن' جنازہ اور قبر وغیرہ سے ہے۔ ان سب مراحل کے لیے ہمیں مکمل ہدایات سنت سے ملتی ہیں۔ تفاصیل کے لیے کتب احادیث سے ضرور استفادہ کریں۔ مختصراً مندرجہ ذیل ہیں:

قریب الموت کے پاس بیٹھ کر لا الٰہ الا اللہ پڑھنا مسنون ہے۔ مسلم کی روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے مرنے والے کو لا الٰہ الاّ اللہ کی تلقین کیا کرو''۔

غم کی حالت میں میت پر رونا چلانا' ماتم کرنا منع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر نوحہ کیا جائے اس کو نوحے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) میت پر آنسو بہانا یا خاموشی سے رونا جائز ہے۔ مرنے کے بعد میت کی آنکھیں بند کر دینی چاہئیں۔ اس کے بازو اور ٹانگیں سیدھی کر دینی چاہئیں اور اس کے بارے میں خیر کی باتیں کرنی چاہئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والے کا ذکر بھلائی کے علاوہ نہ کرو۔ (نسائی)

کسی کے مرنے پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہنا سنت ہے۔

مرنے والے کے ذمے قرض ہو تو ورثاء کو چاہیے کہ مل جل کر اسے ادا کریں۔ والدین کی طرف سے فرض حج یا نذر مانا ہوا حج بھی ادا کیا جا سکتا ہے' اگر وہ کسی عذر کی وجہ سے ادا نہ کر پائے ہوں۔ اسی طرح فرض روزے بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر فرض روزے رکھنے باقی ہوں تو اس کا وارث روزے رکھے۔ (صحیح بخاری)

میت کی طرف سے قربانی کرنے کی دلیل بھی ہمیں ایک حدیث سے ملتی ہے۔

مُردوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا سنت سے ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قبر میں میت کی مثال ڈوبنے اور فریاد کرنے

والے کی طرح ہے جو اپنے ماں باپ' بھائی یا کسی دوست کی دعا کا منتظر رہتا ہے' جب اسے دعا پہنچتی ہے تو اسے دنیا جہان کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بے شک اہل دنیا کی دعا سے اللہ تعالیٰ اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ مُردوں کے لیے زندوں کا بہترین تحفہ ان کے لیے استغفار کرنا ہے''۔ (بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مرنے کے بعد انسان کے اعمال (کے ثواب کا سلسلہ) منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے جن کا ثواب میت کو پہنچتا رہتا ہے۔ (۱) صدقۂ جاریہ' (۲) لوگوں کو فائدہ دینے والا علم' (۳) نیک اولاد جو میت کے لیے دعا کرتی ہے''۔ (صحیح مسلم)

(۱) صدقۂ جاریہ سے مراد دینی بھلائی کا کوئی کام ہے۔ مثلاً مسافر خانہ بنوا دیا' کوئی کنواں کھدوا دیا یا کوئی مسجد تعمیر کروائی' پھل دار یا سایہ دار درخت لگا دیے۔ نیکی کے یہ کام ایسے ہیں جن کا اجر وثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

(۲) لوگوں کو فائدہ دینے والا علم: اس ضمن میں قرآن کریم کی تعلیم سرفہرست ہے۔ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی' دین وشریعت کی تعلیم وتربیت اور اس کے علاوہ کوئی فائدہ مند سائنسی ایجاد وغیرہ جس سے لوگ نسل در نسل فائدہ اٹھاتے ہوں۔ علم کے حوالے سے دین کی نشر واشاعت کے کام بھی بہترین صدقۂ جاریہ ہیں۔ مسلم کی روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حصولِ علم کے راستے پر چلنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں''۔

(۳) نیک اولاد جو میت کے لیے دعا کرتی ہے: نیک اولاد کے اچھے اعمال کا ثواب اس کے والدین کو پہنچتا ہے خواہ اس نے ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پاکیزہ کھانا جو تم کھاتے ہو اپنی کمائی سے ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں شامل ہے''۔ (سنن ابی داؤد)

اولاد کو قرآن وسنت کا تابع بنا کر مرنے والا قیامت تک ثواب حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ عزوجل جنت میں نیک آدمی کا درجہ بلند فرمائے گا تو آدمی عرض کرے گا: یا اللہ! یہ درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تیرے بیٹے نے تیرے لیے استغفار کیا تھا''۔ (مسند احمد)

حرفِ آخر

بدعت اور اختلافی مسائل بہت حساس موضوعات ہیں۔ان پر قلم اٹھانے کے لیے بہت ہمت چاہیے جو مجھ میں نہیں ہے۔ میرا علم بھی بہت محدود ہے جبکہ بڑے بڑے علماء کی تفصیلی تصانیف ان موضوعات پر موجود ہیں۔میں نے اس مضمون کی تیاری میں والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کیسٹ Au 16-11 اور تفہیم السنۃ سے مدد لی ہے' علاوہ ازیں چند مستند کتب احادیث سے بھی استفادہ کیا ہے۔ بہت سی بہنوں کے اصرار پر کہ اختصار کے ساتھ کچھ دلائل ہمیں دیے جائیں تا کہ مروجہ حصول وایصالِ ثواب کے غلط طور طریقوں کے بارے میں عوام الناس میں قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح دینی شعور کو اجاگر کیا جائے' میں نے اپنی کم علمی کے باوجود اس موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت کی ہے اور کوشش کی ہے کہ اسے حتی الامکان مختصر کیا جائے تا کہ لوگوں میں عام کرنا آسان ہو۔اگرچہ تحریر میں بہت سی غلطیاں ہوں گی' ان سے صرفِ نظر کی درخواست ہے۔لیکن دینی نقطۂ نگاہ سے کوئی غلطی ہوگئی ہوتو اسے اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے مجھے ضرور آگاہ کریں۔شکریہ!

طالبہ دعائے خیر